

رمضان، عبادات اور للہیت

رمضان آتا ہے تو ایک طرح کی تقویٰ کی بہادری جاتی ہے۔ اکثر لوگ نمازوں اور عبادات کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ روزے کی کیفیات چہروں پر دکھائی دیتی ہیں۔ مسجدوں میں رونق بڑھ جاتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا سال کے بعد خدا کی طرف انابت کا عمل بڑے پیمانے پر ظہور پاتا ہے۔ خدا کی وہ منادی جو صدیوں سے انبیاء نے بلند کر رکھی ہے کہ توبہ کرو میں تمہارے گناہ بخش دوں گا، فرزند ان اسلام رمضان میں اس کے جواب میں رجوع الی اللہ کرتے ہیں۔ لیکن ہم آج ایسے اسلامی مذہب کو ماننے ہیں جو اپنی جامعیت کھو کر محض ایک جزوی دین بن کر رہ گیا ہوا ہے۔ ہم نے صدیوں قبل ہندوستان سے گوتم بدھ اور یونان کے فیثا غورث اور مشرق وسطیٰ سے اخوان الصفا کی باطنیت سے جو مذہبی تصور لیا، اس نے اسلام کے جامع دین کو بھی راہبانہ اور متصوفانہ بنا دیا ہے۔ اس اعتبار سے ہم غزالی کے عہد دینیات میں جیتے ہیں۔ جہان دین کا منتہا کمال یہ ہے کہ عبادت و ریاضت کی خاص نہج، یعنی طریقت پر چل کر للہیت حاصل کی جائے، جس کا مطلب خاص طرح کا صفائے قلب اور دوام ذکر الہی وغیرہ لیا جاتا ہے۔ اس تصور نے ہمارے دینی اشتغالات کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ ہمارے آئیڈیل وہ لوگ قرار پائے جنہوں نے تصوف کی ریاضتوں سے یہ کمالات حاصل کیے۔ چنانچہ دین کا تصور للہیت سکڑ کر رہ گیا۔ ایک دیانت دار، حق شناس اور سختی مزدور کم درجہ کا مسلمان قرار پایا اور ایک فقیر راہ سڑک پر یا جنگل میں دھونی رمائے بیٹھا بڑے درجے کا، حالانکہ وہ مزدور

۱۔ کسی جگہ ٹک کر بیٹھے رہنا۔

جس آزمائش میں ڈالا گیا تھا، وہ اس میں کامیاب تھا، اور یہ جس آزمائش میں ڈالا گیا تھا یہ اس سے مفروز تھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ صوفیانہ طرز حیات پر لکھتے ہیں:

”میرا مطلق نظریہ تھا کہ میں آخرت کی سعادت تقویٰ اور ہوائے نفس سے بچ کر حاصل کروں، اور یہ بھی واضح تھا کہ اس عمل کی بلند ترین سطح یہ ہے کہ دل کو اس دنیا سے بے زار کر کے اس کا تعلق دھوکے کی اس دنیا سے کاٹ دیا جائے، اور یہ کہ اخروی دارالخلوہ کی طرف رغبت رکھی جائے، اور ساری توجہ پوری ہمت لگا کر اللہ کی طرف مبذول کر لی جائے، مگر یہ سب کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ جاہ و مال سے اعراض نہ کر لیا جائے، اور مصروفیات و علاقہ سے فرار نہ ہوا جائے۔ پھر میں نے اپنی حالت پر نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ علاقہ دنیا میں غرق ہوں اور چار جانب سے ان میں گھرا ہوا ہوں۔ پھر میں نے اپنے اعمال کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ سب سے اچھا کام جو میں کرتا ہوں، وہ تدریس کا ہے، اس کی صورت حال بھی یہ ہے کہ میں ایسے علوم سے لگاؤ رکھتا ہوں، جو غیر اہم اور آخرت میں نافع نہیں ہیں۔“

... پھر میں (سب چھوڑ چھاڑ کر) شام چلا گیا، وہاں میں تقریباً دو سال تک رہا، تنہائی، خلوت گزینی، ریاضت، اور مجاہدے کے سوا میرے کچھ مشاغل نہ تھے، میری عزت و تکریم نفس، تہذیب اخلاق اور ذکر الہی کے لیے تصفیہ قلب کے مقصد سے تھی، اسی طرح جس طرح میں نے صوفیہ کی کتابوں سے سیکھا تھا۔ میں دمشق کی مسجد میں ایک مدت تک معتکف رہا، میں اس کے مینار پر چڑھ کر اس کا دروازہ بند کر لیتا اور سارا سارا دن اس میں بیٹھا رہتا تھا۔ پھر میں بیت المقدس چلا گیا، ہر روز صبح میں داخل ہوتا، اور دروازہ بند کر لیتا تھا۔ پھر میرے اندر حج کا فریضہ ادا کرنے کی تحریک نے سراٹھایا کہ مکہ و مدینہ کی برکات سے بھی مدد لی جائے۔ یوں خلیل اللہ کی زیارت کے بعد رسول اللہ کی زیارت بھی کی جائے۔ اس مقصد سے میں نے حجاز کی مسافرت اختیار کی۔ پھر مجھ پر جذبات اور میرے بچوں کی دعاؤں نے غلبہ پایا اور میں وطن لوٹ آیا، جب کہ میں اس کی طرف ہرگز لوٹنے والا نہ تھا، اپنے وطن میں بھی میں نے گوشہ نشینی کو ترجیح دی رکھی، خلوت گزین رہتا اور ذکر الہی کے لیے تصفیہ قلب جاری رکھا۔... ان خلوتوں میں میرے اوپر بہت سے امور منکشف ہوئے جن کا احاطہ ممکن نہیں ہے، بس اتنی بات عرض کیے دیتا ہوں جس سے سب کو نفع ہوگا کہ میں یہ جان گیا ہوں کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، انہی کی سیرت بہترین سیرت ہے، انہی کا طریقہ صحیح ترین طریقہ ہے، انہی کا اخلاق پاکیزہ ترین اخلاق ہے۔... ان کی تمام حرکات و سکنات ظاہر و باطن میں چراغ نبوت کے نور کا شعلہ و شرر ہیں، اس سے بڑھ کر زمیں پر نور نبوت کہیں نہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جائے۔“

(المقصد من الصلوات ۱۷۳-۱۷۷)

اس اقتباس سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام غزالی جیسے عبقری نے کس طرح دین کے ایک جزو کو اٹھایا اور پورے دین پر غالب کر دیا ہے۔ اسلامی شرائع میں اعتکاف اور عزلت بہت مختصر عرصہ کی چیز ہے، جس کو انھوں نے برسوں (تقریباً دس برس) اختیار کیے رکھا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ گھر در کی ذمہ داری بچوں پر التفات و نگہ داری، دین کی تدریس و خدمت، سب ایک طرف تھا اور یہ عزلت سب پر حاوی تھی۔ واضح رہے کہ اس کا ثبوت نہ قرآن میں تھا اور نہ سنت میں، بلکہ صرف صوفیاء نے کتب میں تھا۔ نبی کریم سے اگر کوئی بات ان کو ملی تو وہ اخبار آحاد میں آئی ہوئی نبوت سے پہلے کی غار حرا کی عزلت گزینی ہے۔ ساری امت جانتی ہے کہ قبل نبوت کا کوئی عمل دین میں حجت نہیں ہے۔ لیکن ان صوفیہ کو یہی ایک واقعہ ملا ہے۔^۲ لکھتے ہیں:

”مختصر یوں کہ جس کو یہ (روحانی) ذوق نصیب نہیں ہوا، وہ لفظی معنی کے سوا نبوت کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکتا، اور نہ اولیا کی کرامات کو سمجھ سکتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ کرامات انبیاء کی ابتدائی احوال جیسی ہیں۔ نبی کریم کے ابتدائی حالات بھی ایسے ہی تھے، جب آپ غار حرا میں جاتے اپنے رب کے ساتھ خلوت گزریں ہوتے، اور عبادت کرتے تھے۔ عرب آپ کو کہتے کہ محمد اپنے رب کے عاشق ہو گئے ہیں۔“ (امتد من الصلال ۱۷۹)

بہر حال، ہمارے عہد تک یہ طبقہ دین کو رہبانیت سے بدل کر اسے للہیت کا نام دیتا ہے۔ بلاشبہ ذکر، عبادت،

۲ ہمارے عہد میں مودودی رحمہ اللہ نے بھی غلبہ دین کے ایک نبوی فریضہ کو پورے دین پر غالب کر دیا۔

۳ واضح رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہے تو تب بھی جو معلومات اس کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں، ان کا متصوفانہ ریاضتوں سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اور نہ آپ اس طرح کی کسی چیز کے لیے غار میں جاتے تھے، جنھیں امام غزالی نے کرامات اولیا کا نام دیا ہے۔ قرآن کی نصوص واضح طور پر آپ کے ساتھ اس طرح کی منسوب باتوں کی نفی کرتی ہیں۔ مثلاً ’وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ‘ (التکویر ۸۱: ۲۴) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب کے حریص کبھی نہیں رہے، اور قُلْ لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ‘ (یونس ۱۰: ۱۶) وغیرہ۔

۴ اس آخری جملے کا کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا۔ باقی روایت میں بھی صوفیہ نے تصرف کیا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ تنہائی اور عزلت پسند رہنے لگے اور غار حرا میں جا کر تہنٹ کرنے لگے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ تھا، بلکہ آپ نے ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ بس اسی کو پورا کرنے کے لیے وہاں گئے تھے۔ اگر ان واقعات کو ایسے ہی مان لیا جائے تو تب بھی صوفیاء نہ ریاضت اس میں موجود نہیں ہے، بلکہ واقعات کی ترتیب یہ ہے کہ آپ کو پہلے رویاے صالحہ آنے لگے، اس کے بعد آپ تنہائی پسند ہوئے، یعنی نبوت کا آغاز پہلے ہوا ہے، نہ کہ آپ کی ریاضتوں کے بعد۔ رویاے صالحہ سے پہلے آپ ایک عام آدمی کی زندگی گزار رہے تھے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ روایت اپنے کئی اجزاء میں قرآن سے ٹکراتی ہے۔

وغیرہ میں للہیت ہے، لیکن یہ دین اسلام کا ایک جزو ہے۔

اصل للہیت

اسلام جس للہیت کا تصور دیتا ہے، اس میں دنیا کو تیاگ دینا ہرگز شامل نہیں ہے۔ انسان کی فطرت میں بلاشبہ اللہ کی خاطر جان و مال کا قربان کرنا رکھا گیا ہے۔ ہم انسانوں میں سے بعض کے ہاں یہ جذبہ زیادہ ہو سکتا ہے، جیسے بعض لوگوں میں نوافل ادا کرنے کا، بعض کے ہاں روزے رکھنے کا اور بعض کے ہاں خدمت غلط کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح بعض کے ہاں قربانی و ایثار یا ترک دنیا کا داعیہ قوی ہوتا ہے۔ دین کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان طبعی داعیات کو توازن میں رکھا جائے۔ لہذا اسلام نے ہر طبعی ضرورت کے پیش نظر عبادات و اعمال مقرر کیے ہیں۔ لیکن کسی ایک کو باقی تمام پر غالب نہیں کیا۔ بالکل اسی طرح، جس طرح اللہ نے بعض کو غصہ و راور بعض کو نرم خو بنایا ہے۔ دونوں سے تقاضا یہی ہے کہ مثلاً نرم آدمی حق کی غیرت میں اگر سخت ہونا ہو تو ہو، اور غصہ و راور کو اعتراف حق کے لیے نرم ہونا پڑے تو نرم ہو۔

ہم انسان جب کوئی دین بناتے ہیں، جیسے تصوف، ہندومت اور بدھ مت وغیرہ تو کسی ایک پہلو کو جو بانی مذہب کا پسندیدہ پہلو ہوتا ہے، اسے غالب کر دیتے ہیں، جب کہ انبیاء کا دین ہدایت الہی ہونے کی وجہ سے شخصی پسند ناپسند سے نہیں بنا ہوتا، لہذا ان کا دین کسی ایک چیز کو باقی نیکیوں پر غالب نہیں کرتا کہ وہی چیز کل دین بن کر رہ جائے۔ لہذا تمام دینی و سماجی داعیات کے لیے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ ان رجحانات کو اسلامی احکام کے تابع بنائے تاکہ وہ دینی میدان میں متوازن رہے۔

اسلام میں للہیت یہ ہے کہ آدمی تمام دینی و معاشرتی فرائض و واجبات کو اللہ ادا کرنے والا ہو۔ جب عبادت کا معاملہ ہو تو عبادت میں؛ معاملات کا موقع ہو، معاملات میں اداے حقوق للہیت ہے۔ یہ للہیت گوتم بدھ وغیرہ کی تھی کہ دنیا کو تیاگ کر جنگلوں میں دھونی رمانی جائے، جب کہ خدا کو یہ للہیت پسند ہے کہ 'أبغض لله' اور 'أحب لله' کے اصول پر میدان کارزار میں جدوجہد کی جائے۔ ہمسایوں اور ذی القربی کے ساتھ نباہ، تلاش رزق، حق گوئی و حق نیوشی، علم و تحقیق کی جستجو، عدل و انصاف کا قیام، قوموں کے مابین جہاں بنی و جہاں بانی، غرض حقوق و فرائض کی جو جو ذمہ داریاں عائد ہوں، سب کی یہ توازن بجا آوری ہو۔ بس یہی للہیت ہے کہ یہ سب کام اللہ فی اللہ کیے جائیں۔ وہ

۵۔ صرف اتنی باتیں ہی لازم کی ہیں جو کم از کم ہیں اور ہر مزاج و طبیعت کو اس آتی ہیں۔

آدمی للہیت سے یک سرخالی ہے جس کی ماں بڑھاپے میں بیٹے کی خدمت کی طالب ہو یا جس کی بیوی اس کے التفات و سہارے کی محتاج ہو اور وہ دمشق کی مسجد کے منارے پر ذوق عزالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

ہمارے علاقے میں ایک صاحب تبلیغ پر گئے تو اپنی بیوی کو متوقع ولادت کے دنوں میں گھر میں اکیلے چھوڑ گئے۔ تین ماہ کا دورہ تبلیغ تھا۔ یوں چھوڑنے کو اللہ کے توکل پر چھوڑنا کہا جاتا ہے۔ ایک دن ہم عصر کے بعد مسجد سے نکلے تو ان صاحب کے گھر کے باہر لوگوں اور پولیس کا رش دیکھا۔ معلوم ہوا کہ گھر بند ہے اور اس میں شدید بواٹھ رہی ہے۔ پولیس کی موجودگی میں گھر کے تالے توڑ کر لوگ اندر پہنچے تو کیا دیکھا کہ ان صاحب کی بیوی اور اس کے قدموں میں پڑا نوزائیدہ بچہ، دونوں وفات پا چکے ہیں۔ ان کے جسموں کے گلے سڑنے سے بدبو پورے محلے میں پھیل رہی ہے۔ ان صاحب کا یہ چلہ اسی رہبانیت کی ایک دوسری صورت ہے، جسے للہیت کا نام دیا جاتا ہے۔

دین کا یہ تصور صرف اسی وقت بنا، جب ہم نے للہیت کا تصور متصوفانہ روایتوں سے لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا صاحب للہیت کون ہو سکتا ہے! کیا انھوں نے کوئی منارہ آباد کیا؟ کیا انھوں نے ایسے تبلیغی اور جہادی مشن بھیجے۔ ان کا حال تو یہ تھا کہ جس کی بوڑھی ماں گھر ہوتی یا بیوی بیمار ہوتی، اس کو جہاد کی اجازت نہ دیتے تھے۔ یہ تو واضح ہے کہ جہاد امیر جنسی کا معاملہ ہوتا ہے، جس میں جتنی نفرتی ہو، کم ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود توازن کا یہ عالم تھا کہ آپ ایسے مجاہدین کو جہاد پر نہ لے جاتے تھے۔

دین ہماری معروف اصطلاحات میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا نام ہے۔ ان دونوں کو ہر وقت نبھانے میں لگے رہنا للہیت ہے۔ اس رمضان میں ہمیں اسی حقیقی للہیت کو پیدا کرنے کی طرف بڑھنا چاہیے۔ نہ صرف ہماری عبادات بہتر ہوں، بلکہ ہمارے اخلاق میں درستی آئے۔ ہماری نمازیں صحیح ہو جائیں، والدین، بہن بھائی، ہمسایے، راہ گیر اور مسائل کے حقوق ادا ہونے لگیں۔ ہم ملکی قانون کے پابند ہو جائیں۔ ہماری زبان، ہمارے ہاتھ، ہماری نگاہ، ہمارے گمان، ان میں سے کوئی چیز دوسروں کو نقصان نہ پہنچائے تو سمجھ لیجیے کہ للہیت پیدا ہوگئی۔

سچی بات یہ ہے کہ یہی حقیقت میں خدا کو یاد رکھنا ہے، یہی سچا ذکر الہی ہے۔ جب بھوک آمادہ کر رہی ہو کہ آدمی کچھ چرا کر کھالے، اور آدمی خدا خونی سے ایسا نہ کرے؛ جب غصہ اگلے کو گالی دینے پر اکسار ہا ہو، اور اللہ کے ڈر سے بندہ ایسا نہ کرے، اور جب حسد اور نفرت چغلی کرنے کی صلاح دے رہی ہو، اور خدا کی جواب دہی اسے روک دے، تو سمجھیے کہ یہ بندہ خدا کی یاد سے غافل نہیں، بلکہ یہ للہیت کی معراج پر ہے جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے: 'الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ...' (آل عمران ۱۹۱)، یعنی جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں اٹھتے بیٹھتے اور

لیٹے ہوئے۔ گویا زندگی کے امور انجام دیتے ہوئے ہر حال میں خدا کو یاد رکھتے ہیں۔

اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ذیل کی حدیث دیکھیں:

إِنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ حَدَّثَهُ إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "خَمْسٌ مَنْ عَمِلَهُنَّ فِي يَوْمٍ كَتَبَهُ اللَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ: مَنْ عَادَ مَرِيضًا، وَشَهِدَ جَنَازَةً، وَصَامَ يَوْمًا، وَرَاحَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَأَعْتَقَ رَقَبَةً." (صحیح ابن حبان، رقم ۲۷۷۱)

”ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پانچ چیزیں ہیں جو انھیں ایک دن میں کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ اہل جنت میں لکھا گیا: مریض کی عیادت کرے، جنازہ میں شرکت کرے، روزہ رکھے، اور جمعہ کا سفر بھی کرے اور غلام آزاد کرے۔“

اس حدیث مبارکہ میں دیکھیے کہ ایک ذمہ داریوں سے بھرپور زندگی کا نقشہ ملتا ہے۔ کوئی فوت ہوا ہے تو جنازہ پڑھنا ہے، کوئی بیمار ہوا ہے تو تیمارداری کرنی ہے، استطاعت ہوئی ہے تو غلام کو آزاد کرنا ہے، جمعے کے لیے جامع مسجد تک کا سفر بھی کرنا ہے۔ یہ سب اس حالت میں ہوا ہے کہ رمضان کا روزہ بھی رکھا ہوا ہے۔ صحیح معنی میں یہی للہیت ہے؛ یہی لوگ اللہ کے راستے کے سالک ہیں، انھی کی سیرت بہترین سیرت ہے؛ انھی کا طریقہ صحیح ترین طریقہ ہے؛ انھی کا اخلاق پاکیزہ ترین اخلاق ہے۔

لہذا رمضان میں نماز روزے کی بہتری کے ساتھ اپنے اخلاق اور معاملات کی بہتری کرنے کی سعی بھی کرنی چاہیے تاکہ ہم قرآن کی مطلوب للہیت کو حاصل کریں، اور اہل جنت میں شمار کیے جائیں۔ ہم نے جن کو ستایا ہے، ان سے

۱۔ یہ حدیث اس بات پر ابھار رہی ہے کہ ہم مسلسل ایسی ذمہ داریاں ادا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے تو ایک دن ایسا میرا آ ہی جائے گا جس میں یہ سب کام اکٹھے ہو جائیں۔

۲۔ اسی طرح کا مضمون اس روایت میں بھی ملتا ہے:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ، - يَعْنِي الْجَنَّةِ، - يَا عَبْدَ اللَّهِ، هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ، وَبَابِ الرِّيَّانِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا عَلَى هَذَا الَّذِي يُدْعَى مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، وَقَالَ: هَلْ يُدْعَى مِنْهَا كُلُّهَا أَحَدٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "نَعَمْ، وَأَرْجُوا أَنْ تَكُونُوا مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ." (صحیح بخاری ۳۶۶۶)

رمضان میں معافی مانگ لیں۔ عہد کریں کہ چغلی غیبت نہیں کریں گے، دھوکا اور فریب چھوڑ دیں گے۔ لوگوں کے حقوق پورے کریں گے۔ خدا کا حق ادا کریں گے۔ گویا دین کا کوئی جزو نہیں، بلکہ پورا دین اپنائیں گے۔ ذیل کی حدیث میں محض عبادت و ریاضت کو اللہیت سمجھنے کی واضح طور پر تردید سامنے آتی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ، إِنَّ فُلَانَةً يُذَكِّرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا، وَصِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: ”هِيَ فِي النَّارِ“، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَإِنَّ فُلَانَةً يُذَكِّرُ مِنْ قِلَّةِ صِيَامِهَا، وَصَدَقَتِهَا، وَصَلَاتِهَا، وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَنْوَارِ مِنَ الْأَقْطِ، وَلَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا، قَالَ: ”هِيَ فِي الْجَنَّةِ“ (مسند احمد، رقم ۹۶۷۵)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا: اے رسول اللہ، فلاں خاتون ہے، اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بہت نمازیں پڑھتی ہے، روزے بھی بہت رکھتی ہے، اور صدقات بھی بہت دیتی ہے، مگر یہ کہ بدزبانی سے ہمسایوں کو اذیت دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا: دوزخ میں جائے گی۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ اے رسول اللہ، فلاں خاتون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نفل روزے بہت کم رکھتی ہے، صدقہ و خیرات بھی کم کرتی ہے: وہ صدقہ میں سوکھی پیپر کے ٹکڑے دے دیتی ہے، نفل بھی کم ہی پڑھتی ہے، لیکن اپنی زبان سے ہمسایوں کو نہیں ستاتی۔ آپ نے فرمایا: جنت میں جائے گی۔“

اس دوزخی بڑھیا اور اس تارک دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے، اس کی بدزبانی سے لوگ اذیت میں ہوتے ہیں اور اس کی ذمہ داریوں کے فرار سے اس کے تعلق دار اذیت میں ہوتے ہیں۔

